والد ماجد

حضرت اقدس

مولانا محمد باقر حسین قاسمیؒ

بابرکت زندگی کی ایک جھلک

از:

مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی

شیخ الحدیث وقائم مقام مهتمم

جامعه عربیه امدادیه مرادآباد

Mob`ile:

09412866177 - 09627625461

اشاعت کی عام اجازت ہے۔

تفصیلات

نام کتاب	:	والد ماجد حضرت اقدس مولانا محمد باقر حسین قاسمیؒ: بابرکت زندگی کی ایک جھلک
تالیف	:	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد
نظر ثانی	:	حضرت مولانا محمد اسعد قاسمی صاحب ناظم دار العلوم الاسلامیہ بستی
طبع اول	:	جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ مطابق مئی ۲۰۱۱ء
کمپیوزنگ	:	محمد اسجد قاسمی مظفرنگری
صفحات	:	
ناشر	:	**مرکز الکوثر التعلیمی والخیری مرادآباد**
مطبع	:	ڈائمنڈ پرنٹرز، نئی دہلی
تقسیم کار	:	اسلامک بک فاؤنڈیشن 1781 حوض سوئی والان، نئی دہلی 110002

ملنے کے پتے:

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد یوپی 244001

مرکز دعوت وارشاد دار العلوم الاسلامیہ بستی یوپی

مکتبہ فدائے ملت مفتی ٹولہ مرادآباد

دار الکتاب دیوبند

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

مکتبہ الفرقان لکھنؤ

اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی

مولانا عبد السلام خان قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، وزیر بلڈنگ، بھنڈی بازار ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰٓاَیَّتُھَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ○

ارۡجِعِیۡ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ○

فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ ○

وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ○

(الفجر)

ترجمہ:

اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار (کے جوارِ رحمت) کی طرف چل

اس طرح سے کہ تو اُس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش

پھر (ادھر چل کر) تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا

اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

●

قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ:

طُوۡبیٰ لِعَبۡدٍ جَعَلَہُ اللّٰہُ مِفۡتَاحاً لِلۡخَیۡرِ مِغۡلاَ قاً لِلشَّرِّ. (بیہقی)

ترجمہ:

شادمانی ہے اُس بندے کے لئے جسے اللہ نے خیر کا ذریعہ

اور شر کا سدباب بنایا ہو۔

زندگی جن کی گذرتی ہے اجالوں کی طرح
یاد رکھتے ہیں اُنھیں لوگ مثالوں کی طرح

علم والوں کو کبھی موت نہیں آتی، وہ
زندہ رہتے ہیں کتابوں کے حوالوں کی طرح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مندرجات

● آغاز -- ۷

حضرت اقدس مولانا محمد باقر حسین قاسمی رحمہ اللہ
بابرکت زندگی کی ایک جھلک

● ولادت، وطن اور خاندان: -- ۹
● ابتدائی تعلیم -- ۱۰
● دارالعلوم دیوبند میں -- ۱۰
● ابتدائی تدریس -- ۱۱
● جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد میں قیام حضرت کی علمی ودینی خدمات کا دورِ شباب ۱۳
● دارالعلوم الاسلامیہ بستی حضرت کا اصل سرمایۂ زندگی ---------- ۱۷
● دیگر تعلیمی خدمات -- ۲۴
● مساجد کی تعمیر -- ۲۵
● دینی تعلیمی کونسل -- ۲۵
● جمعیۃ علماء ہند -- ۲۶
● آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ -- ۲۷
● اصلاحی تعلق -- ۲۸

حضرت والد صاحبؒ: چند نمایاں امتیازات وخصوصیات

● ذوقِ عبادت -- ۲۹

- زبان کی خاص حفاظت ---------- ۳۰
- وسعتِ قلبی ---------- ۳۰
- سخاوت اور مہمان نوازی ---------- ۳۲
- تواضع اور خاکساری ---------- ۳۲
- رسوخ علمی ---------- ۳۳
- خردنوازی ---------- ۳۴
- خدمت خلق اور صلہ رحمی ---------- ۳۶
- امانت، دیانت اور غایت احتیاط ---------- ۳۷
- زہد قناعت اور سادگی ---------- ۳۷
- حلم وصبر ---------- ۳۸
- نہی عن المنکر ---------- ۳۹
- حسن اخلاق و معاملات ---------- ۴۰

زندگی کا آخری دور

- علالت اور مرض ---------- ۴۱
- سفر آخرت، وفات، تجہیز و تکفین و تدفین ---------- ۴۱
- پسماندگان، خصوصی اہل تعلق اور معتمدین ---------- ۴۵
- خراجِ عقیدت ---------- ۴۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز

اب تک کی اپنی حیاتِ مستعار میں مختلف موضوعات پر لکھنے والے اِس حقیر و عاجز کو کوئی تحریر اتنی مشکل اور ضبط آزما نہیں محسوس ہوئی جتنی دشوار اور صبر آزما آج کی یہ تحریر ہے۔

آہ! جسم و روح کو کیسے کیسے چرکے لگ رہے ہیں، دل و دماغ درد و الم کی کیسی ناقابل بیان کیفیات سے دوچار ہو رہے ہیں، آنکھیں کس طرح اشکوں کے جام لٹا رہی ہیں، اور قلم اس واقعۂ فاجعہ کے اظہار میں کتنی دشواری محسوس کر رہا ہے کہ میرے والد ماجد، میرے معلم و مربی، پیکرِ محبت و شفقت، حضرت اقدس مولانا محمد باقر حسین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۱ر اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب، تقریباً آٹھ بجے شب حضرت نے اس دنیا سے اپنی آنکھیں بند کرلیں، وہ سالہا سال سے شوگر کے مریض تھے، نسیان اور دماغی امراض نے بری طرح اُن کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق ضعف روز افزوں تھا، بایں ہمہ بہ ظاہر کوئی آخری درجہ کی تشویش کی بات معلوم نہ ہوتی تھی؛ لیکن:

کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم، ارزاں ہے موت

کلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت

اپنی حیات کے اس سب سے سنگین سانحے پر تأثرات کے اظہار کے لئے ڈھونڈے

سے بھی الفاظ نہیں مل رہے ہیں، احباب کے اصرار اور بزرگوں کے حکم کی تعمیل میں حضرت والد صاحب کی شخصیت اور خدمات کے تعلق سے یہ مختصر سی تحریر ٹوٹی پھوٹی اور بے ربط شکل میں پیش کی جارہی ہے، عمر نے وفا کی اور دماغ و دل قابو میں رہے تو تفصیلی سوانح فرصت سے مرتب کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی، اللہ عزوجل حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، درجات بلند سے بلند تر فرمائے، اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

محمد اسجد قاسمی ندوی

۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ

۲۹/ اپریل ۲۰۱۱ء

حضرت اقدس مولانا محمد باقر حسین صاحب رحمه الله

بابرکت زندگی کی ایک جھلک

ولادت، وطن اور خاندان:

ضلع سنت کبیر (سابق ضلع بستی) کے آباد وشاداب مسلم اکثریتی خطے میں واقع ایک چھوٹے سے گاؤں ''مدارپور'' میں ۱۹۳۶ء میں حضرت اقدس مولانا محمد باقر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آنکھیں کھولیں، حضرت کے والد ماجد محترم جناب محمد اسماعیل صاحب مرحوم انتہائی صالح ومتدین انسان تھے، بچپن ہی میں حضرت کو اپنے والد کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا، اس طرح یتیمی کی زندگی گذاری، حضرت کی والدہ محترمہ مریم صاحبہ مرحومہ نے بے حد محبت سے اپنے لخت جگر کی تربیت کی، اور دینی تعلیم کے لئے ان کا انتخاب کیا، حضرت کی مبارک زندگی کی بے نظیر دینی وعلمی خدمات میں اُن کی والدہ کی دعائے نیم شبی، آہ سحر گاہی اور مؤمنانہ تربیت کا نمایاں اور اولین کردار ہے۔ صالح، متدین، شریف النفس، سیدھے سادھے، مخلص وبے ضرر خانوادے کا چشم وچراغ ہونے کی وجہ سے حضرت کی ذات وصفات میں (رسوخ علمی اور اکابر سے تعلق وربط کے اثرات کے پہلو بہ پہلو) نسبی ونسلی اثرات کے لحاظ سے بھی صلاح، تدین، کریم النفسی، شرافت انسانی، بے لوثی، اخلاص، خیرخواہی، ہم دردی، بے نفسی، نافعیت اور دوسروں کی بدخواہی، ایذا اور ضرر رسانی کی تمام ظاہری، باطنی، خفیہ، علانیہ، چھوٹی بڑی، محسوس وغیر محسوس شکلوں اور طریقوں سے آخری حد تک گریز اور اجتناب جیسے اوصافِ عالیہ کا رنگ اس طرح غالب اور نمایاں تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے بھی ملنے والا اسے محسوس کئے اور اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا تھا۔

ابتدائی تعلیم

حضرت نے دارالعلوم دیوبند کے چشمۂ فیض سے استفادہ سے پہلے تین اداروں میں علم دین حاصل کیا:

(۱) مکتب اور ابتدائی درسیات کی تعلیم اپنے وطن سے متصل دریاباد کے مکتب اور مدرسہ دینیہ مونڈا ڈیہہ بیگ ضلع سنت کبیر نگر (بستی) میں حاصل کی، اس وقت وہاں کے معروف اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالوہاب صاحبؒ، حضرت مولانا عبداللہ صاحب مہاجر مدنیؒ (دفین جنۃ البقیع، مدینہ منورہ) اور حضرت مولانا محمد اسلام صاحبؒ اور ماسٹر شہرت علی صاحب دریابادی مرحوم تھے۔

(۲) مختصر سے عرصے کے لئے جو غالباً ایک سال سے بھی کم تھا، مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڈھ میں مقیم رہے اور علمی پیاس بجھائی۔

(۳) درسِ نظامی کی بنیادی، اولین اور ٹھوس تعلیم کا مرکز پورے خطے میں اُس وقت جامعہ عربیہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ تھا، جو اکابر راسخین علم کا گہوارہ بنا ہوا تھا، حضرت وہاں داخل ہوئے اور خوب خوب استفادہ کیا، اُس دور کے نمایاں اساتذہ میں (جن کا بار بار عقیدت سے اپنی مجلسوں میں نام بھی لیا کرتے تھے) حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن نامیؒ، حضرت مولانا سلامت اللہ بیگ صاحبؒ، حضرت مولانا حافظ حبیب احمد صاحبؒ، حضرت مولانا حافظ محمد نعمان صاحبؒ اور حضرت مولانا افضال الحق جوہر قاسمی مدظلہم وغیرہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں

متوسطات سے لے کر دورۂ حدیث تک کئی سالوں کی مکمل تعلیم کے لئے حضرت نے ام المدارس دارالعلوم دیوبند کا انتخاب کیا، اور معاشی ناہمواریوں کے باوجود ہر طرح کی

تکلیف جھیل کر تحصیل علم میں اپنی پوری طاقت کھپا دی، اپنی متواضعانہ اداؤں اور جوہر قابل کی وجہ سے اکابر اساتذہ کے منظورِ نظر بن گئے، دارالعلوم کے زمانۂ قیام میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ، حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ وغیرہم سے بطور خاص کسب فیض کیا۔ ۱۹۵۶ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی، اور از اول تا آخر مکمل بخاری شریف حضرت شیخ الاسلامؒ سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی، اور امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

ابتدائی تدریس

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ہی فوراً اپنے اساتذہ کے حکم سے دیوبند سے قریب موضع باغوں والی ضلع مظفر نگر کے ممتاز و معروف تعلیمی ادارہ مدرسہ خادم العلوم میں ایک سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، اور اپنی حسن کارکردگی اور نیک طبعی کی بنا پر وہاں مقبول رہے، اسی دوران حضرت مدنیؒ کا انتقال ہوا، وہ خود بتاتے تھے کہ باغوں والی سے پیدل مظفر نگر گئے، وہاں سے بذریعہ ٹرین حضرت مدنیؒ کے جنازے میں شرکت کے لئے دیوبند پہنچے۔ باغوں والی کے اس دور میں مشہور معاصرین میں حضرت مولانا جمیل احمد صاحبؒ سہارن پوری، حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہم حال مہتمم مدرسہ خادم العلوم باغوں والی وغیرہ تھے۔

باغوں والی کے زمانۂ قیام میں حضرت والد صاحب کی طبیعت بار بار خراب ہوتی رہی، اس لئے مجبوراً وہاں سے رخت سفر باندھا اور اساتذہ کے حکم پر ہاپوڑ منتقل ہوئے اور تین سال سے زائد عرصہ تک مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور اوپر سے نیچے تک تقریباً تمام کتابیں پڑھائیں، آپ کی تدریسی قابلیت کا دور دور تک شہرہ ہوا۔

ہاپوڑ کے دور کے پچاسوں باصلاحیت شاگرد آخر وقت تک حضرت سے والہانہ اور عقیدت مندانہ طور پر مربوط رہے، اس وقت کے معاصر اساتذہ میں حضرت مولانا قاری محمود علی صاحبؒ، حضرت مولانا قاری مشتاق احمد صاحب بلند شہریؒ، حضرت مولانا ناظر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا صادق علی صاحب قاسمی مدظلہ (مدیر ''نقوشِ حیات'' لہرولی سنت کبیر نگر) حضرت مولانا قاری محمد اصغر صاحب مدظلہ (حال شیخ الحدیث خادم الاسلام ہاپوڑ) وغیرہ تھے۔

❍❖❍

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد میں قیام

حضرت کی علمی ودینی خدمات کا دورِ شباب

اہل مرادآباد کے اصرار اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ۱۹۶۱ء میں حضرت والد صاحب مرحوم ہاپوڑ سے مرادآباد کی قدیم، بافیض دینی درسگاہ جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد منتقل ہوگئے، درجاتِ عالیہ کی کتب کا درس آپ سے متعلق ہوا، بلا مبالغہ سیکڑوں تشنگانِ علوم نے آپ کے حلقۂ درس میں اپنی پیاس بجھائی، اس دور میں بطور خاص ''صحیح مسلم'' کا آپ کا درس بے حد مقبول اور معروف ہوا، حتی کہ شہر واطراف کے دیگر مدارس کے طلبہ بھی فرصت نکال کر آپ کے ''مسلم شریف'' کے درس میں پروانہ وار شرکت کرتے اور استفادہ کرتے تھے، جامعہ عربیہ امدادیہ اس وقت گلہائے رنگارنگ سے آراستہ انتہائی خوش نما اور پرکشش چمن تھا، علم وعمل کے آفتاب وماہتاب وہاں اکٹھا تھے، وہ مشرق ومغرب کے طلبہ کا مرکز بنا ہوا تھا، حضرت کے اس دور کے معاصر اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا معین الدین صاحب گونڈویؒ (جو حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کے خلیفہ تھے اور حضرت والد صاحب سے ان کا تعلق انتہائی مثالی رفاقت کا تھا) حضرت مولانا سجاد احمد صاحب مرادآبادیؒ، حضرت مولانا نثار احمد صاحب گونڈویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد انعام اللہ صاحب مدظلہم (خلیفہ حضرت محی السنہ ہردوئی، حال صدر مفتی جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد، اللہ ان کا سایہ عافیت کے ساتھ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے) وغیرہ تھے۔

جامعہ عربیہ امدادیہ حضرت والد صاحب کی تدریسی، تعلیمی، تربیتی، اصلاحی، تبلیغی،

دعوتی، سماجی اور انتظامی صلاحیتوں کی باضابطہ طور پر اولین جولان گاہ تھی، حضرت کی خدمات کے نقوش جامعہ امدادیہ کے ہر گوشے اور ہر حصے میں اس طرح ثبت ہیں کہ ان کو کبھی نہ محو کیا جاسکتا ہے اور نہ نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

غالباً ۱۹۶۷ء میں کچھ آزمائشی حالات سے بددل ہوکر امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی دعوت پر جامعہ رحمانیہ خانقاہ رحمانی مونگیر (بہار) چلے گئے، تقریباً ایک سال وہاں درجاتِ عالیہ کو درس دیا، بطور خاص تفسیر بیضاوی کا سبق آپ سے متعلق رہا؛ لیکن جامعہ امدادیہ کے اربابِ حل وعقد اور عمائدین شہر کے بے حد اصرار پر پھر مرادآباد واپسی ہوئی۔

حضرت کی صلاحیتوں، جوہر قابل، حوصلہ، لگن اور مجاہدے کو دیکھ کر جامعہ امدادیہ کی مؤقر مجلس شوریٰ نے ۱۹۶۹ء میں آپ کو وہاں کا انتظام وانصرام سپرد کیا، بزرگوں کے صحبت یافتہ شہر مرادآباد کے مشہور دین دار تاجر ظروف الحاج عبدالواجد صاحب شمسی مرحوم ادارے کے ذمہ دار تھے، حضرت والد صاحب کو مہتمم متعین کیا گیا، حضرت والد صاحب نے تعلیمی استحکام، مالی استحکام، انتہائی لائق ٹیم تیار کرنے اور جامعہ کو ملک گیر شہرت کا حامل ادارہ بنانے کی تمام سمتوں میں اپنے خاص ذوق وشوق، لگن، ہمت، حوصلہ، ولولہ اور فکر مندی (جوان کا خاص امتیاز ہے اور جس کی مثال اب طبقۂ علماء میں خال خال ہی دستیاب ہے) کے ساتھ محنت شروع کی، اور اپنی لگن اور استقامت سے جامعہ امدادیہ کو ایک اعتبار اور وقار عطا کردیا، فعال اساتذہ وکارکنان کی مضبوط ٹیم سرگرم عمل ہوگئی، تعلیم وتربیت کا مثالی نظام قائم ہوا، ملک کے اکابر علماء کا جامعہ امدادیہ سے تعلق مستحکم ہوا، اکابر کی آمد بکثرت ہونے لگی، یہ وہ دور تھا جب جامعہ کے سرپرست حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند تھے، اسی دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضرت والد صاحبؒ کا تقرر بحیثیت مدرس کتب متوسطہ درجاتِ عربی دارالعلوم دیوبند میں ہوگیا، حضرت والد صاحبؒ کی باتوں سے

معلوم ہوتا تھا کہ دارالعلوم کی بلاواسطہ خدمت کی سعادت کو وہ مرادآباد کے قیام پر ترجیح دینے کا ارادہ کر چکے تھے؛ لیکن حضرت شیخ الحدیث سہارن پوریؒ نے حکماً فرمایا کہ:

> ”دارالعلوم کو مدرس بہت سے مل جائیں گے؛ لیکن جامعہ امدادیہ مرادآباد کو آپ جیسا فعال منتظم ملنا مشکل ہے“۔

بالآخر آپ نے اپنا ارادہ بدلا، پھر جامعہ امدادیہ ہی پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا، ۱۹۷۸ء میں جامعہ امدادیہ کی شہری عمارت کے ناکافی ہونے اور طلبہ کے رجوع کی وجہ سے وسیع اراضی وعمارت کی ضرورت کے پیش نظر شہر سے باہر بالکل متصل شاہ راہِ عام (رام پور روڈ) پر چالیس بیگھہ وسیع اراضی کی خریداری عمل میں آئی، پرائمری، حفظ اور ابتدائی عربی کے درجات بتدریج وہاں منتقل کئے گئے، انتہائی پرشکوہ، دیدہ زیب اور عالی شان وسیع وعریض جامع مسجد تعمیر ہوئی (جو حسن تعمیر اور سادگی کا شاہکار ہے) درسگاہوں اور دارالاقامہ، دارالقرآن، دفاتر، اور اسٹاف کوارٹرس کے لئے پچاسوں کمرے تعمیر ہوئے، اور شہر کے باہر کی کھلی فضا میں انتہائی پرسکون ماحول میں تعلیم کا نظام بنایا گیا، جو ہنوز اُسی آب وتاب کے ساتھ جاری ہے۔

یہ سارے کام حضرت والد صاحب کی محنتوں کے نقوش ہیں، اور ان کاموں میں اور ادارے کو اس منزل تک لانے میں اللہ کے اس مخلص بندے کا کتنا خون جگر خرچ ہوا ہوگا، رکاوٹوں کے کیسے کیسے طوفان سے گذرنا پڑا ہوگا، صعوبتوں اور مشقتوں کے کون کون سے مرحلے طے کرنے پڑے ہوں گے؟؟ آج ہم اس کا صحیح ادراک وتصور بھی نہیں کر سکتے۔ بس اللہ کی خاص توفیق تھی اور اُس کی عطا کردہ خاص عزیمت اور ہمت تھی کہ بہت سے ناسازگار مواقع حضرت کی محنتوں اور لگن کے نتیجے میں سازگار ہوئے، ناہموار زمین ہموار ہوئی، نامساعد فضا مساعد بنی، یہ انہیں کی ہمت اور حوصلہ تھا کہ انہوں نے حالات کی ستم ظریفیوں کی پرواہ کئے بغیر زمانے کے سمندر سے گوہرِ فرد نکالا، بقول علامہ اقبال:

وہی ہے صاحبِ امروز، جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

۱۹۶۹ء سے لے کر تا وفات حضرت جامعہ عربیہ امدادیہ کے مہتمم اور وہاں کی علمی قافلے کے سالارو میر رہے، پورا عملہ اُن کی سرپرستی کی گھنی چھاؤں میں مصروفِ کار تھا، کئی سالوں سے علالت ضرور تھی؛ لیکن ان کے وجود مسعود کی برکات نمایاں تھیں، اب جب کہ یہ حادثۂ فاجعہ وقوع پذیر ہو چکا ہے، ہر کوئی سکتے کی کیفیت میں ہے اور اپنے کو یتیم محسوس کر رہا ہے۔ **تَغَمَّدَہُ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ وَاَنْزَلَ عَلَیْہِ شَآبِیْبَ فَضْلِہٖ۔**

دارالعلوم الاسلامیہ بستی

حضرتؒ کا اصل سرمایۂ زندگی

ملک کے دردمند اکابر و مشائخ اتر پردیش کے مشرقی خطے میں ایک مرکزی دینی درسگاہ کی کمی شدت سے محسوس کررہے تھے، اتر پردیش کے مشرقی اضلاع (بالخصوص بستی، گورکھپور، فیض آباد، دیوریا وغیرہ) میں کوئی معیاری مرکزی دینی ادارہ نہ ہونے کا احساس سبھی اہل فکر کررہے تھے، ضلع بستی (جو اس وقت تقسیم نہ ہوا تھا، اور موجودہ ''سنت کبیر نگر'' اور ''سدھارتھ نگر'' اسی کا حصہ تھا) آبادی کے اعتبار سے یوپی کا سب سے بڑا ضلع تھا، اس کی کل آبادی تیس لاکھ اور مسلم آبادی تقریبا دس لاکھ تھی، اس لئے شہر بستی میں ایک مرکزی دینی ادارے کا قیام بے حد ضروری سمجھا جارہا تھا۔

بطور خاص عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ کی طرف سے حضرت والد صاحبؒ کو بار بار اصرار کے ساتھ بستی کی طرف توجہ فرمائی کا حکم ہوتا تھا، بالآخر ۱۹۸۰ء میں حضرت والد صاحبؒ نے حضرت باندویؒ کے حکم و تحریک پر ملک کے تمام اکابر کی سرپرستی اور تائید سے اپنے مخلص احباب و رفقاء کے ساتھ توکلاً علی اللہ بے سروسامانی کے باوجود ''دارالعلوم الاسلامیہ بستی'' کا قیام فرمایا۔

۴؍شوال ۱۴۱۲ھ کے اپنے تأثرات میں حضرت باندویؒ نے تحریر فرمایا ہے:

''احقر دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں اکثر حاضر ہوتا رہتا ہے، اس کی خواہش تھی کہ ہمارے پورب میں ایسا ادارہ ہو جس میں اپنے اسلاف کے اصول کے مطابق تعلیم و تربیت کا معقول انتظام ہو، اور شروع سے لے کر آخر تک کی درسیات اس میں پڑھائی جائیں، اس کا

مشورہ جناب مولانا محمد باقر حسین صاحب مدظلہ العالی سے ہوتا رہا، ہمارے اس پوربی علاقہ میں انہیں کی ایسی ذات ہے جن کے عزم وارادہ کے سامنے کوئی مشکل، مشکل نہیں رہتی، اللہ پاک نے اُن کے دل کے اندر اس کا جذبہ پیدا فرمادیا، اور بحمدہ تعالیٰ چند ہی سال میں ایسا عظیم الشان ادارہ قائم ہوگیا جس میں درسِ نظامی کا مکمل نظم اور تربیت کا معقول انتظام ہے''۔

شروع میں مستقل عمارت نہ ہونے کی وجہ سے کرائے کا مکان لے کر ابتدائی تعلیم کا بندوبست کیا گیا، پھر اس کے بعد شہر میں دارالعلوم کے لئے وسیع اراضی کی خریداری کی گئی، حضرت والد صاحبؒ نے پہلے شہر کے کنارے جانب جنوب پانچ ایکڑ زمین خریدی تھی جس میں عارضی طور پر ٹین شیڈ ڈال کر عربی، فارسی اور حفظ کی تعلیم کا آغاز ہوا؛ لیکن پھر شہر کے طلبہ کے لئے آمدورفت کی دشواری کے سبب اور شہر کی مسلم آبادی کی سہولت کے پیش نظر وسط شہر کے محلّہ دریاخاں میں تین ایکڑ زمین خریدی، جس میں تعمیری منصوبے شروع ہوئے اور عربی، فارسی وحفظ کے درجات منتقل کئے گئے، فرقہ پرست غیر مسلموں کی طرف سے دارالعلوم پر بالکل ابتدائی دور ہی میں بے حد آزمائشی اور دشوار حالات آئے، طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں؛ لیکن حضرت والد صاحبؒ کی مجاہدانہ عزیمت:

ع: راہ میں حائل ہوں اگر کوہ تو ٹھکرا کے نکل

کے مصداق ہر طرح کے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتی رہی، بالآخر اُن کے خلوص ومجاہدے اور اکابر کی مسلسل دعاؤں کی برکت کا یہ اثر ہوا کہ تمام مسائل حل ہوگئے، اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹھوس، مستحکم، معیاری اور مثالی تعلیم وتربیت کا مرکز بن کر ابھرا، یہ حضرت والد صاحبؒ کا لگایا ہوا وہ شجر طوبیٰ تھا جس کے برگ وبار پورے خطے کو سیراب کرنے لگے، ملک کے تمام دینی مراکز میں اس کا لوہا مانا جانے لگا۔ حضرت باندویؒ کا یہ تأثر حقیقت واقعہ کا سچا عکاس ہے کہ:

''انتہائی خوشی کی بات ہے کہ دارالعلوم الاسلامیہ نے بہت تھوڑی سی مدت میں حیرت انگیز ترقی کی ہے''۔

۲۲ رمضان ۱۴۰۴ھ

اور:

''اس ادارے نے جتنی جلدی اور حیرت انگیز ترقی کی ہے، اس منزل میں دوسرے اداروں کو پہنچنے میں ایک عرصہ لگا ہے''۔

۴ر شوال ۱۴۱۲ھ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے تحریر فرمایا:

''آج بستی حاضری کے موقع پر دارالعلوم الاسلامیہ کو جس ترقی، وسعت، نظم وانتظام کی بلند سطح پر دیکھا، اور اس کی ترقی وتوسیع کے جو مظاہر اور نمونے دیکھے، اُن کا تصور ہی نہ تھا، دیکھ کر بے اختیار زبان سے نکلا کہ یہ تو ایک جامعہ (یونیورسٹی) معلوم ہوتا ہے، دارالعلوم اپنے ذمہ داروں کی بیدار مغزی، معاونین کے اخلاص اور اہل دین واہل اثر کے تعاون کی بنا پر ایک اور بلند مستقبل کی خبر دیتا ہے، اور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جلد ہندوستان کے ممتاز مدارس اور مقاماتِ تعلیم وتربیت میں ممتاز مقام حاصل کرلے گا''۔

۳ر رجب ۱۴۱۴ھ

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ نے اپنے تأثرات یوں رقم فرماتے ہیں:

''دارالعلوم الاسلامیہ بستی (اترپردیش) مدت سے یہاں حاضری کی تمنا تھی؛ لیکن یہ سعادت مؤرخہ ۱۲ر جون ۱۹۹۳ء کو حاصل ہوسکی، اور مسلسل تین دن قیام کا موقع ملا، ان تین ایام میں مدرسہ کے اساتذہ، طلبہ، کتب خانہ کو دیکھنے کا موقع ملا، رفیق محترم حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم خوش قسمت ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کام کی توفیق عطا فرمائی، صرف چند برسوں میں اس ادارے کو تاسیس سے ترقی کے ان مرحلوں تک پہنچنے میں موصوف کا کتنا خونِ جگر خرچ ہوا ہوگا، اس کا اندازہ انہیں لوگوں کو ہوسکتا ہے جو اس طرح ٹھوس تعمیری کاموں میں مشغول رہے ہیں، مدرسہ میں داخل ہوکر پہلی نظر میں طلبہ کی تعداد اور پھر عظیم الشان عمارت کو دیکھ کر تو ہرکس وناکس متأثر ہوتا ہے؛ لیکن آج کے اس دورِ انحطاط میں اور علمی استعداد کے فقدان کے اس زمانے میں مدرسہ کے طلبہ کی ٹھوس علمی استعداد کو دیکھ کر جو دلی مسرت مجھے حاصل ہوئی اور طلبہ کی دینی ماحول میں تربیت کو دیکھ

کر جو مسرت ہوئی، اس کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں‘‘۔

۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ

مطابق ۱۵؍جون ۱۹۹۳ء

حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ نے ایک طرف مستحکم تعلیمی نظام کے لئے ماہر فن، محنتی، لائق اور فعال اساتذہ کی ایک ٹیم دارالعلوم بستی میں جمع کی، جن کی محنتوں اور کاوشوں سے دارالعلوم کا تعلیمی معیار بے حد بلند اور تعلیمی ریکارڈ انتہائی اعلیٰ اور مثالی بن کر سامنے آیا، درجاتِ عربی، درجاتِ حفظ وناظرہ، درجاتِ تجوید وقراءت اور درجاتِ پرائمری، سب کے لئے حضرت والد صاحب کی نگاہِ دوررس خوب سے خوب تر کی جستجو کرتی رہی، وہ جوہر قابل تلاش کرتے رہے، اور اپنے دارالعلوم کا دامن علم وفن کے آبدار گوہروں سے مالامال کرتے رہے۔

تعلیم کے علاوہ تربیتی نظام کو بہتر کرنے کی سمت میں حضرت والد صاحبؒ نے بطور خاص توجہ فرمائی، اس تعلق سے حضرت مولانا مفتی افضل حسین صاحبؒ (سابق مفتی واستاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم بستی) نے اپنی پوری طاقت کھپادی، تلاوت ودعا وذکر کا اہتمام، پند ونصائح کا التزام، سلام کی ترویج، ادب وسلیقہ کی طرف توجہ دہانی، طلبہ کی تربیت کے لئے اذان، اقامت، امامت، خطابت کی مشق، غیر حفاظ کو قرآن کے آخری دو پارے حفظ کرانے کی تاکید اور تشجیع، سب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ کی ذاتی دلچسپی اور خاص ذوق وشوق کی وجہ سے دارالعلوم میں دینی وعصری ہر دو علوم کے ماہرین کا ورود بار بار ہوتا رہا، مختلف موضوعات پر توسیعی محاضرات کا سلسلہ بھی رہا، اسلامک فقہ اکیڈمی کا تربیتی کیمپ بھی لگایا گیا، جس میں دینی وعصری علوم کے ماہرین نے اپنے خطبات، مقالات اور محاضرات کے ذریعہ شرکاء کو فیض پہنچایا۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا سیمینار بھی منعقد ہوا، جس میں ملک وبیرون کی مؤقر، معتبر، ممتاز علمی وفقہی شخصیات کا عظیم مجمع شریک رہا، اکابر ومشائخ (بطور خاص حضرت باندویؒ،

حضرت مفکر اسلامؒ، حضرت فدائے ملتؒ وغیرہم) کی بار بار تشریف آوری سے طلبہ واساتذہ کو استفادہ کے زریں مواقع ملتے رہے۔

حضرت والد صاحب کے منصوبوں میں ایک اہم منصوبہ میڈیکل کالج کا قیام تھا، شہر بستی کے کنارے جانب جنوب میں خریدی گئی زمین میں مستحکم طور پر میڈیکل کالج بنانے کا خیال تھا، اس کے لئے علی گڈھ سے حکیم ظل الرحمٰن صاحب، مولانا حکیم محمد ایوب قاسمی صاحب اور بینا پاڑہ سے حکیم ارشاد صاحب وغیرہم کو حضرت والد صاحب نے بستی آنے کی دعوت دی، یہ حضرات آئے، کئی دن قیام کیا، پورا خاکہ بنایا گیا، مشورے ہوئے، اسی طرح ایک منصوبہ ٹیکنیکل اسکول کا قیام بھی تھا۔

حضرت والد صاحبؒ خدمت خلق کے لئے ایک ہاسپٹل کے قیام کا بھی ارادہ رکھتے تھے، اللہ کرے کہ یہ منصوبے جلد عملی شکل میں ظاہر ہوں، اور حضرت کا مشن رواں دواں رہے، اسی طرح شہر مرادآباد میں رام پور روڈ پر لڑکیوں کے ایک اعلیٰ دینی معیاری تعلیمی ادارے کے قیام کے لئے بھی کوشاں تھے، اللہ اس منصوبہ کو جلد مکمل کرادے۔

ایک بڑی فکر حضرت والد صاحب کو مسلم بچوں اور بچیوں کے لئے ایسے انگلش میڈیم اسکول کے قیام کی تھی، جہاں بچوں کے دینی عقائد کا تحفظ ہوسکے، ان کے اسی خواب میں رنگ بھرنے کی کوشش کے طور پر بستی میں ''اقرأ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر اکیڈمی'' کے زیر اہتمام ''اقرأ پبلک اسکول'' حضرت والد صاحب کی علالت کے دور میں ان کی سرپرستی میں قائم کیا گیا، اللہ اس کو حضرت کے خوابوں کی تعبیر اور اسے بامقصد بنائے، آمین۔

حضرت والد صاحبؒ کی زندگی کا بہت بڑا حصہ جامعہ عربیہ امدادیہ اور دارالعلوم الاسلامیہ کی ترقی کے لئے اندرون وبیرونِ ملک کے اسفار میں گذرا، بطور خاص سعودیہ عربیہ، قطر، کویت، بحرین، امارات، برطانیہ، ساؤتھ افریقہ وغیرہ کے اسفار ہوئے، سفر ہو یا حضر، دن ہو یا رات، خلوت ہو یا جلوت، اہل خانہ میں ہوں یا واردین وصادرین میں،

صحت ہو یا مرض، ہر جگہ، ہر وقت، ہر موقعے پر جو فکر اُن کی رفیق وہم دم تھی وہ مدرسہ کی فکر تھی، مدرسہ کے استحکام اور ترقی کا خیال ان کے دل ودماغ اور اعصاب وحواس پر مکمل طور پر مسلط رہا کرتا تھا۔

انہوں نے اپنا سب کچھ (اپنی طاقت، توانائی، جذبات، اوقات، آرزوئیں، ضروریات) انہیں دینی اداروں کے لئے وقف وثار کردیا تھا، اوراس احساس کے ساتھ کہ:

حاصل عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگئ خویش کہ کارے کردم

انہیں دنیوی اور معاشی ترقیوں کے بار بار مواقع ملے تھے، درس وتدریس کے ساتھ پرائیویٹ طریقے سے انہوں نے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات اعلیٰ نمبروں سے پاس کئے تھے، اُن کے قدیم رفیق محترم جناب پرنسپل مقبول احمد صاحب مرحوم نے ''خیرانٹر کالج'' بستی میں ۱۹۷۲ء میں بحیثیت ٹیچر ان کا تقرر بھی کیا تھا؛ لیکن انہوں نے اپنے کو خدمت دین، خدمت علم، خدمت مدارس کے لئے یکسو کرلیا تھا، دنیا اور حطامِ دنیا سے وہ صرف دور نہیں؛ بلکہ گریزاں اور نفور تھے، خدمت دین وعلم ان کا روشن شعار تھا، اس راہ میں ان کی بلند حوصلگی، ریاضت ومجاہدے کی عادت اور بے لوثی قابل صد رشک تھی، حالات کے تمام مخالف جھکڑ بھی کبھی ان کی بلند پروازی کے آڑے نہ آپاتے تھے، ان کے حوصلے کا طائر بلند پرواز کبھی کسی ایک آشیانے پر قانع نہیں ہوتا تھا، ان کی زندگی ہر دم رواں، ہر لمحہ جواں تھی، اُن کی زبان حال گویا یہ کہتی تھی ؎

میں کہاں رکتا ہوں عرش وفرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حدِ پرواز سے

دارالعلوم الاسلامیہ حضرت والد صاحب کے خوابوں کی حسین تعبیر ہے، ان کی زندگی کی بے پناہ کاوشوں اور محنت کا سرمایہ ہے، ان کے عمر بھر کے تمام دنوں کی تپش اور راتوں کے

سوز کا حاصل ہے، ان کی قربانیوں، جفا کوشیوں، جگر کاویوں اور عزیمتوں کی اصل جلوہ گاہ ہے، ان کی پوری عمر کی بے قراریوں، بے تابیوں اور مجاہدوں کا مظہر ہے، یہی وہ علمی قلعہ ہے جس کے وہ بانی بھی تھے، مؤسس بھی، صدر بھی، روح رواں بھی، علم کے اس چمستان اور دین کے اس گلستاں کے وہی نگہبان بھی تھے اور مالی بھی۔ ۱۹۸۰ء میں لگایا ہوا یہ پودا آج تناور درخت اور ہرے بھرے باغ کی جس شکل میں نظر آ رہا ہے، از اول تا آخر سب انہیں کی محنتوں کا صدقہ اور انہیں کی کوششوں کا فیض ہے، اللہ اسے ہمیشہ آباد وشاداب رکھے اور حضرت مرحوم پر اپنی رحمتوں کا مینہ برسا دے، آمین۔

دیگر تعلیمی خدمات

جامعہ امدادیہ اور دار العلوم الاسلامیہ کے علاوہ دسیوں مدارس دینیہ کی حضرت والد صاحبؒ نے سرپرستی فرمائی، نگرانی کی، اپنی ذاتی کوششوں سے وہاں تعلیم وتربیت کا معقول نظم فرمایا۔

لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لئے سنت کبیر نگر (سابق بستی) کے ایک بڑے مسلم گاؤں ''کرہی'' میں ''مدرسہ عائشۃ للبنات'' اپنے مخلص احباب ورفقاء کے تعاون سے قائم فرمایا، اس ادارے کی از اول تا آخر تعمیر وترقی میں حضرت کی ذاتی کوشش اور نگرانی کارفرما رہی ہے، حضرت نے اُسے دار العلوم الاسلامیہ کی باضابطہ شاخ بنایا، اور اس کا تعلیمی، مالی وانتظامی ہر معاملہ براہِ راست دار العلوم سے متعلق رکھا۔

اپنے وطن ''مدارپور'' میں ''المعہد الاسلامی'' کے نام سے پرائمری اور مکتب کی سطح کا ٹھوس تعلیمی نظام اپنی راست نگرانی میں قائم کیا، یہ بھی دار العلوم بستی کی باضابطہ شاخ ہے، اور اس کے تمام معاملات بلا واسطہ دار العلوم سے مربوط ہیں، حضرت والد صاحبؒ اُسے حفظ کی تعلیم کا مرکز بھی بنانا چاہتے ہیں، اللہ مستقبل میں اس کی راہیں آسان فرمائے، آمین۔

دار العلوم گورکھپور کا قیام بھی حضرت والد صاحبؒ کی آرزو کی تکمیل کے طور پر ہوا، اس کی سرپرستی، مالی تعاون اور اس کی تعمیر وترقی کی مساعی میں حضرت کا حصہ بہت نمایاں رہا، مدرسہ عربیہ اصلاح المسلمین جمدا شاہی کی طرف بھی حضرت کی خاص توجہ رہی، اور اپنے رفیق خاص حضرت مولانا محمد عبد القیوم صاحب مدظلہم کی خاطر حضرت والد صاحبؒ نے اس کا ہر ممکن خیال ولحاظ رکھا، اور بطور خاص ایک صاحب خیر کے تعاون سے مدرسہ کی عالیشان جدید مسجد تعمیر کرائی، مدرسہ اسلامیہ مدینۃ العلوم کرمڈیہہ بگی روڈ گونڈہ کی تعمیر وترقی میں وہاں کے

بانی ومہتمم محترم جناب حافظ محمد خلیل صاحب مدظلہم سے دیرینہ قدیم تعلق کی بنیاد پر حضرت والد صاحبؒ کا نمایاں کردار اور خاص توجہ شامل رہی ہے۔

حضرت والد صاحب جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کی شوریٰ وعاملہ کے رکن بھی تھے، اور حضرت باندویؒ سے عقیدت مندانہ تعلق کی بنیاد پر وہاں نیاز مندانہ حاضر ہوتے تھے، اور وہاں کی تعمیر وترقی کے لئے خاص طور پر کوشاں اور فکر مند رہتے تھے، اسی طرح مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے بھی رکن شوریٰ رہے، اور ہر اہم موقع پر وہاں کے تعلیمی وانتظامی استحکام کے لئے فکروکوشش فرماتے رہے۔

نیز حضرت مولانا عبدالہادی صاحب پرتاب گڈھی مدظلہ اوران کے ادارے مدرسہ نورالعلوم ہرہرپور پرتاب گڈھ سے بھی تعلق خاطر تھا، گاہے گاہے وہاں تشریف لے جاتے اور ہر ممکن تعاون فرماتے۔

ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے متعدد ایسے مکاتب، مدارس اور ادارے ہیں جن کے ساتھ حضرت کا خاص تعلق، ذاتی دلچسپی اور معقول تعاون رہا ہے، یہ سب حضرت کے حسنات میں شامل ہے۔

مساجد کی تعمیر

حضرت والد صاحب کی ایک عظیم نیکی مساجد کی تعمیر کا وہ عظیم کارنامہ ہے جو بتوفیق الٰہی انہوں نے انجام دیا، بلا مبالغہ پچاسوں مساجد کی تعمیر، اصلاح اور خدمت ان کے ذریعہ انجام پائی، بہت سی مسجدوں کا انہوں نے سنگ بنیاد رکھا، بہت سی مساجد میں جزوی امداد کی، دسیوں مساجد وہ ہیں جن کی مکمل تعمیر آپ ہی کی سرپرستی اور نگرانی میں عمل میں آئی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے خاص توفیق تھی جو آپ کو حاصل ہوئی۔

دینی تعلیمی کونسل

حضرت والد صاحب انجمن تعلیماتِ دین (دینی تعلیمی کونسل) کی مبارک، مؤثر اور

انقلابی تحریک کے فعال رکن رہے، وہ اس تحریک کو وقت کا اولین تقاضا سمجھتے تھے، اور اپنی مذہبی ذمہ داری سمجھ کر اس میں سرگرم طور پر شریک تھے، اس تحریک کے بانی قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم سے خاص تعلق رکھتے تھے، ان کی خدمات کی تہ دل سے قدر کرتے تھے، تحریک کے سابق صدر حضرت مفکر اسلامؒ، موجودہ صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم، سابق جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی مرحوم، موجودہ جنرل سکریٹری محترم جناب ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی زید مجدہم سے بہت مضبوط اور گہرا تعلق تھا، کونسل کی تقریباً تمام کانفرنسوں اور اجلاسات میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، دینی تعلیمی کونس کی ایک عظیم علاقائی کانفرنس حضرت والد صاحب نے دار العلوم کے احاطے میں منعقد کی، جس میں حاضرین کا جم غفیر شریک تھا، حضرت مفکر اسلام کی صدارت میں یہ کانفرنس انتہائی تاریخ ساز ثابت ہوئی۔

جمعیۃ علماء ہند

حضرت والد صاحبؒ کے دل میں حضرت مدنی سے شاگردی کا شرف حاصل ہونے کے نتیجے میں جمعیۃ علماء سے عشق ومحبت کا تعلق تھا، وہ جمعیۃ کو معاصر حالات میں سرمایۂ ملت کا نگہبان سمجھتے تھے۔ ضلعی، صوبائی اور ملکی ہر سطح پر جمعیۃ کے پروگراموں میں حسب موقع شرکت کرتے تھے۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ سے بھی تعلق خاطر تھا، حضرت فدائے ملتؒ بار بار جامعہ امدادیہ اور دار العلوم بستی تشریف لایا کرتے تھے، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہم سے قریبی رفاقت کا مثالی تعلق تھا، حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد اِس حقیر راقم کے پاس سب سے پہلے (غالبًا ساڑھے آٹھ بجے شام) حضرت مولانا مدظلہم کا تعزیتی فون آیا، جب بھی ملاقات ہوتی، حضرت والد صاحب کی خیریت بڑے اہتمام سے معلوم کرتے تھے، اور جب بھی اس خطے کا سفر ہوتا، عیادت وملاقات کے لئے ضرور وقت فارغ فرماتے تھے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ان

دونوں بزرگوں کا قیام مرادآباد میں تھا، اور مثالی رفاقت اور قرب کا تعلق تھا، کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ دونوں کی مجلس اور ملاقات نہ ہوتی ہو۔

جمعیۃ علماء کے تمام اکابر اور قائدین سے حضرت والد صاحب کا خاص تعلق تھا۔ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ کے اواخر میں جناب مولانا حکیم الدین قاسمی صاحب زیدکرمہم، حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم کی کوشش وسفارش اور حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی زید مجدہم کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے کلکتہ کے مشہور ہومیوپیتھی معالج ڈاکٹر ایل ایم خاں صاحب حضرت والد صاحب کا معائنہ کرنے لکھنؤ تشریف لائے، علاج متعین کیا، آخر تک انہیں کا علاج چلتا رہا، اور انہیں سے مشورہ ہوتا رہا۔

جمعیۃ علماء کی ’’تحفظ سنت کانفرنس‘‘ میں حضرت والد صاحب نے بطور خاص شرکت کی تھی؛ بلکہ اس وقت جمعیۃ کے زیراہتمام شائع ہونے والے رسائل میں ایک رسالہ اپنے مصارف پر طبع بھی کرایا تھا، جمعیۃ کے سابق قائدین بطور خاص حضرت مولانا سید احمد ہاشمی صاحبؒ سے بھی خاص تعلق تھا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تحریک حضرت والد صاحبؒ کے دل کی آواز تھی، وہ بورڈ کو امت کے اتحاد، اجتماعیت اور اشتراک کے لئے بہت مفید سمجھتے تھے، ان کے مزاج کی افتاد بھی یہی تھی، بورڈ کے قائدین حضرت حکیم الاسلامؒ، حضرت مفکر اسلامؒ، حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ، حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ، حضرت مولانا محمد رابع ندوی صاحب مدظلہم، حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہم سے حضرت والد صاحب کا خاص اور گہرا تعلق تھا، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کی ذاتی توجہ سے حضرت والد صاحب کو بورڈ کا رکن بنایا گیا، جب تک صحت سازگار رہی، بورڈ کے تمام اہم پروگراموں اور اجلاسوں

میں شرکت فرماتے رہے، بورڈ کے قائدین کے اشارے پر دارالعلوم بستی کے احاطے میں اصلاح معاشرہ کانفرنس منعقد ہوئی، یہ بے حد عظیم اور تاریخی اجتماع تھا، پورا علاقہ اُمڈ آیا تھا، حضرت مفکر اسلامؒ، عارف باللہ حضرت باندویؒ، کے علاوہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہم و دیگر اکابر امت کا حسین اجتماع تھا۔

اصلاحی تعلق

حضرت والد صاحبؒ کو اکابر واساتذہ میں سب سے زیادہ عقیدت حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے تھی، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ہی حضرت سے بیعت ہوگئے تھے، حضرت کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ سے اصلاحی تعلق رہا، استفادے اور کسب فیض واصلاح کے لئے عقیدت مندانہ طور پر عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ، حضرت محی السنہ ہردوئیؒ، حضرت مفکر اسلامؒ، حضرت اقدس باندویؒ، وغیرہ اکابر کی خدمت میں حاضری دیتے رہتے تھے۔

۶ ؍سال قبل دل کے شدید تقاضے کے تحت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم گلشن اقبال کراچی سے ملاقات کے لئے احقر کے ساتھ پاکستان کے سفر پر تشریف لے گئے، حضرت سے بیعت ہوئے، کئی دن یکسو ہوکر مجالس میں شرکت فرمائی، اُسی سفر میں حضرت نے والد صاحب کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا، پھر یہ تعلق دن بہ دن مستحکم ہوتا گیا۔ اپنے وقت کے تمام مشائخ، اکابر، اعیان وعلماء سے حضرت والد صاحبؒ کا خاص تعلق رہا۔

حضرت والد صاحبؒ:

چند نمایاں امتیازات وخصوصیات

ذوقِ عبادت

اساتذہ واکابر کی تربیت وصحبت کے فیض سے حضرت والد صاحبؒ کو شروع ہی سے عبادت کا خاص ذوق تھا، نماز با جماعت کا اہتمام بے نظیر تھا، ہر نماز جماعت کے ساتھ، تکبیر اولیٰ کے ساتھ، پہلی صف میں؛ بلکہ امام کے پیچھے ادا کرنے کا خاص التزام فرماتے تھے، اس حوالے سے ان کا موقف بہت قطعی، سخت اور بے لچک ہوتا تھا، بڑے سے بڑا جرم نظر انداز کر سکتے تھے؛ لیکن ترکِ جماعت گوارا نہیں کر پاتے تھے، ایسے موقعوں پر انہیں سخت جلال آجاتا تھا۔

تہجد کا شروع سے معمول تھا، سحر خیزی کے عادی تھے، رات کتنی ہی دیر سے کیوں نہ سوئیں، تہجد میں وقت پر بیدار ہو جاتے تھے، دیر تک نماز میں انتہائی خشوع وخضوع، حضور قلب اور لذت مناجات کے ساتھ مصروف رہا کرتے تھے۔

قرآنِ کریم سے انتہائی گہرا اور مثالی تعلق تھا، تلاوت قرآن کے معمول سے کسی حال میں بھی تخلف نہیں ہوتا تھا، قرآن کے حافظ نہیں تھے؛ لیکن صحت مخارج، ادائے حروف اور حسن صوت ولہجہ میں کسی کہنہ مشق حافظ وقاری سے کسی طرح بھی کم نہیں تھے، فجر سے پہلے تفاسیر بالخصوص ترجمہ شیخ الہند اور تفسیر عثمانی کا مطالعہ کرتے تھے، ہم بچوں کو اس وقت بالالتزام جگاتے تھے، قرآن کی تلاوت میں لگا دیتے تھے، بسا اوقات قرآن سنتے تھے، تفسیری نکتوں کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ سورۂ یوسف اور دیگر قرآنی سورتیں سنتے تھے، انبیاء کے قصوں کی

آیات سنتے اوران کی تشریح کرتے تھے، یہ ان کی تربیت کا ایک انداز ہوتا تھا، اوراد واذ کار کا بھی بطور خاص اہتمام فرماتے تھے، صبح فجر سے پہلے کی تفریح ورنہ فجر کے بعد طویل تفریح کا معمول تھا، کئی کئی کلومیٹر تیزی سے پیدل چلتے تھے، بالعموم سات آٹھ منٹ میں ایک کلومیٹر کی دوری طے کرلیتے تھے، اس تفریح میں کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے، تفریح میں اپنا ذکر کا پورا معمول مکمل فرمایا کرتے تھے، سال میں کئی بار سعودیہ عربیہ کا سفر ہوتا تھا، ہر سفر میں بڑے ذوق وشوق سے حرمین شریفین میں حاضر ہوتے تھے، اپنی زندگی میں بیس سے زائد حج کیئے، اور عمرے تو بے شمار ہیں۔

زبان کی خاص حفاظت

حضرت والد صاحب کا یہ خاص رنگ تھا کہ کسی کی غیبت نہ کرتے تھے، نہ سن پاتے تھے، بیجا تبصروں سے ہمیشہ اپنے کو دور رکھا، ان کی زبان سے کبھی کسی کی برائی اور غیبت نہیں سنی گئی، زبان کی حفاظت کا جو اہتمام ان کے ہاں تھا، دور دور تک اس کی مثال نہیں ملتی، کسی کی دل آزاری نہ ہونے پائے، اس کی فکر ہمہ وقت رکھتے تھے۔

وسعتِ قلبی

اللہ نے اُن کو قلبی اور فکری وسعت کی اس دولت سے مالا مال کیا تھا، جو فی زمانہ جوہر نایاب ہے، مشرب ومسلک، فکر ونظر، منہاج وطریق کے تمام تر اختلافات وفروق کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے علماء، مشائخ، اعیان وقائدین کا حسب مرتبت شایانِ شان استقبال، خیر مقدم اور لحاظ کیا کرتے تھے۔

جامعہ امدادیہ اور دار العلوم الاسلامیہ بستی دونوں اداروں کا یہی متوسعانہ مزاج انہوں نے تشکیل دیا، اکابر دیوبند کے طریق پر استقامت اور تصلب کے ساتھ ہر قسم کی مداہنت سے بچتے ہوئے قلب ونظر کے توسع کا جو اظہار انہوں نے اپنے سلوک اور رویے سے فرمایا، وہ

اس دور میں تمام خادمانِ دین وملت کے لئے خضرِ طریق اور مشعل راہ نمونہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اکابر دیوبند، اکابر مظاہر، اکابر تبلیغ، اکابر ندوہ کے علاوہ جماعت اسلامی اور جماعت اہل حدیث کے اعیان کی بھی گاہے گاہے جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد اور دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں آمد ہوتی تھی، اور وہ حضرت والد صاحبؒ کے اس جذبے اور مزاجِ توسع سے بے انتہاء متأثر اور گہرا نقش لے کر جاتے تھے۔

جماعت اسلامی کے سابق امیر ڈاکٹر عبدالحق انصاری بستی سفر کے موقع پر دارالعلوم میں بھی تشریف لائے، ان کا خطاب رکھا گیا، انہوں نے اپنے تأثرات میں یہ جملہ بھی بطور خاص لکھا ہے:

''دارالعلوم کی فضا اور اساتذہ میں جو وسعت قلبی دیکھی وہ یاد رہے گی''۔

اسی طرح موجودہ امیر مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہ بھی تشریف لائے، اور ان کا خطاب ہوا، انہوں نے بھی گراں قدر تأثرات رقم فرمائے، اس سے پہلے مرحوم افضل حسین صاحب قیم جماعت بار بار تشریف لایا کرتے تھے اور قیام بھی کرتے تھے۔

مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرؤف رحمانی مرحوم کا بھی والد صاحب سے خاص تعلق تھا، دارالعلوم بستی میں کئی بار ان کی تشریف آوری ہوئی۔

حضرت مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی رحمہ اللہ سابق امیر جماعت اسلامی، مولانا محمد یوسف اصلاحی زید مجدہم، مولانا محمد احمد امیر جماعت حلقہ اترپردیش مغرب وغیرہ بار بار جامعہ امدادیہ مرادآباد آتے رہے، والد صاحب کی وسعت قلبی کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ دارالعلوم بستی کے قیام کے بعد ابتدائی دور میں اہل حدیث عالم مولانا ابوالعاص وحیدی کا بطور مدرس تقرر کیا انہوں نے ایک سال تک یہاں درس دیا۔

جماعت اسلامی اترپردیش مشرق کے امیر مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی بار بار دارالعلوم آتے رہے، ابھی والد صاحب کے انتقال کے بعد تعزیت کے لئے بھی تشریف لائے۔

حاصل یہ ہے کہ اپنے اداروں کے لئے حضرت والد صاحبؒ نے توسع قلب ونظر کا جوخط اور نمونہ فراہم کیا، اور پیش کر کے دکھایا، وہ ہم نائبین اور وارثین کے لئے یہ پیغام ہے کہ ہم اسی کو حرز جاں بنائیں، اور اسی روش پر گامزن رہیں۔

سخاوت اور مہمان نوازی

حضرت والد صاحبؒ سخاوت، کریم النفسی اور مہمان نوازی کے اوصاف میں اپنے دور کے یگانہ اور منفرد افراد میں سے تھے، عسر و یسر، تنگی اور آسانی کے ہر حالات میں سخاوت وضیافت کا یہی رنگ قائم رہتا تھا، مراد آباد زمانۂ قیام میں جب بھی وطن تشریف لاتے تھے، علاقہ کے تمام علماء، رفقاء کو بطور خاص بار بار مدعو کرتے تھے، بسا اوقات گھر میں دن بھر چولہا جلتا رہتا تھا، مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے چولہا بجھنے کی نوبت نہیں آتی تھی، یہی رنگ مراد آباد اور بستی میں تھا، ہر وقت دسترخوان پر واردین وصادرین کا ہجوم ہوتا تھا، ہم سب خوردوں کو اور گھر کی عورتوں کو ضیافت اور اکرام ضیف کی خاص تلقین کرتے تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوان کی وسعت کا بار بار بطور تربیت ذکر فرماتے تھے، ان کی زندگی بجا طور پر عرب شاعر کے اس شعر کی تصویر تھی:

وَاِنِّی لَعَبْدُ الضَّیْفِ مَا دَامَ نَازِلًا

وَمَا شِیْمَۃٌ لِیْ غَیْرُھَا تُشْبِہُ الْعَبْدَا

تواضع اور خاکساری

حضرت والد صاحب کے امتیازات میں ایک امتیاز ان کی تواضع اور خاکساری کی ادا تھی، حدیث نبوی: من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ۔ (جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلند کر دیتا ہے) کے مطابق اللہ نے ان کی تواضع کی بنا پر ان کو بڑی عظمت، عزت،

رفعت اور بلندی عطا فرمادی تھی، عوام خواص، ہر طبقہ میں ان کا یکساں احترام اور اکرام تھا، انہوں نے کبھی اپنے کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی، ہمیشہ اپنے آپ کو پیچھے رکھتے تھے، ان کے دل ودماغ میں کبھی نخوت، تکبر اور ترفع کے جذبات پیدا نہیں ہوئے، اللہ نے ان کو مؤثر خطیبانہ صلاحیت عطا فرمائی تھی، عنفوان شباب میں بڑے بڑے اجلاسات اور اجتماعات سے ولولہ انگیز خطاب بھی کر چکے تھے، لیکن تواضع، کسر نفسی اور خاکساری، اور اپنے کو پیچھے رکھنے کا مزاج ان کی سرشت میں تھا، اس لئے یہ سلسلۂ خطاب اس تسلسل کے ساتھ بعد میں باقی نہیں رہا، البتہ اپنے خودوں کو اور بطور خاص اس حقیر راقم کو بڑے اصرار کے ساتھ سلسلۂ خطابات جاری رکھنے کی تلقین کرتے تھے، جس کی تفصیل الگ موضوع ہے۔

رسوخ علمی

زمانۂ طالب علمی کی انتھک محنتوں اور کوششوں، اساتذہ کی توجہات اور مشفق والدہ کی دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ نے حضرت والد صاحب کو بے انتہاء علمی رسوخ اور گہرائی سے نوازا تھا، ان کے تلامذہ جو بلا مبالغہ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں، متفقہ طور پر ان کے علمی اور اعلیٰ تدریسی ذوق واستعداد کا ذکر کرتے ہیں۔

علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ میں بطور خاص درک تھا، نحو وصرف، قواعد وتراکیب میں بے انتہاء مہارت اور ید طولیٰ حاصل تھا، احقر کو یاد ہے کہ جب میں عربی اول میں نحو میر اور شرح مائۃ عامل پڑھا کرتا تھا، عربی کی کوئی آسان کتاب لے کر بعد عشاء مجھے لے کر بیٹھ جاتے تھے، پورا اجرا کراتے تھے، اور کسی بھی قسم کی کوتاہی اور غفلت گوارا نہیں کرتے تھے۔

قواعد نحویہ وصرفیہ کے اجراء کے لئے حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی مرحوم کی کتاب ’’تیسیر القرآن‘‘ کو بے حد مفید سمجھتے تھے، اسے دار العلوم بستی کے نصاب میں داخل کیا، اور باضابطہ اسے شائع کیا۔

طلبہ میں عربی زبان وبیان کی استعداد پختہ کرنے کے لئے ندوۃ العلماء کے تیار کردہ سلسلہ ''قصص النبیین والقراءۃ الراشدہ ومختارات ومعلم الانشاء وتمرین الصرف والنحو'' کو بے حد نافع سمجھ کر ماہر فن اساتذہ کے مشورہ سے داخل نصاب کیا، فارسی سے لے کر دورۂ حدیث میں صحیح مسلم تک بیشتر کتابیں ان کے زیر درس رہیں۔

راقم نے درجہ ہفتم عربی میں تقریباً ڈیڑھ ماہ تک حضرت والد صاحب سے اپنے رفقاء سمیت ''مشکوٰۃ جلد ثانی'' کتاب النکاح کے دسیوں ابواب اور ہدایہ جلد رابع میں چند ابواب اور بیضاوی شریف کے کئی صفحات پڑھنے کی سعادت حاصل کی، ان کا انداز درس بے حد انوکھا ہوتا تھا، وہ طلبہ کو اسباق میں مکمل حصار میں لے کر بیدار مغز اور متوجہ رکھتے تھے، صحت عبارت پر بے حد زور تھا، کیا مجال کہ کوئی طالب علم غلط عبارت پڑھ کر نکل جائے؟ فوراً ٹوکتے تھے، اصلاح کرائے بغیر آگے نہیں بڑھنے دیتے تھے، اسی لئے ان کے سامنے عبارت خوانی طلبہ کے لئے بہت مشکل کام ہوتا تھا۔ ذہین طالب علم بھی بڑی تیاری کے بعد ہی ان کے سامنے عبارت پڑھنے کی ہمت کر پاتا تھا۔

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد میں مستقل قیام کے دور میں ان کا صحیح مسلم کا درس بے حد قبول عام حاصل کر چکا تھا، متعدد اساتذہ بھی اپنے اسباق کی تیاری کے لئے ان سے رجوع ہوتے تھے۔

آیات واحادیث کے سلسلہ میں ان کا ذہن بہت مستحضر رہا کرتا تھا، اکابر اساتذہ بالخصوص حضرت مدنیؒ کے دروسِ حدیث کے علمی نکات ومعارف انہیں مکمل محفوظ تھے۔

خردنوازی

حضرت والد صاحب خردوں کی تشجیع اور حوصلہ افزائی میں بہت آگے تھے، خردنوازی ان کی حیات وسیرت کا روشن باب رہا ہے، نہ جانے کتنے گم نام افراد ان کی تشجیع وتحریک سے

نیک نام ومعروف ہوئے، بہت سے دورِ افتادہ علاقوں میں پڑے ہوئے لوگ (جن کی صلاحیتوں کو زنگ لگ رہا تھا) ان کی توجہ اور دلچسپی سے قابل ذکر ولائق خدمت مقامات میں آ کرافادہ وتعلیم کی خدمت میں لگ گئے، چھوٹوں کو آگے کرنا، ان کی ستائش، حوصلہ افزائی اور ہمت بڑھانا حضرت والد صاحب کی خاص ادا تھی۔ اپنے ہوں یا غیر ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق میدانِ خدمت فراہم کر دینا، اور اسے خوب سے خوب تر راہ پر لگا دینا، ان کا خاص مشغلہ تھا۔ ان کا خاص معمول تھا کہ با استعداد طلبہ کی بے حد تشجیع کرتے تھے، ان کو ذہنی فراغت فراہم کرنے کے لئے ان کے تمام تعلیمی مصارف برداشت کرتے تھے۔ فراغت کے بعد ان کو بہتر اداروں میں خدمت علم میں لگاتے تھے۔

محترم جناب مولانا قاری محمد انس صاحب لکھنوی زید مجدہم (مقیم حال جدہ سعودی عرب) یہ نینی تال کی جامع مسجد میں امام وخطیب تھے، اور قرآن کریم عمدہ پڑھتے تھے؛ لیکن حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے پورے عالم نہ بن سکے تھے۔ درجہ چہارم عربی تک پڑھ کر تعلیم چھوڑ دی تھی، نینی تال کے ایک سفر کے دوران حضرت والد صاحبؒ سے ان کی ملاقات ہوئی، تو انہوں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا، اس پر حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ مع اہل وعیال مرادآباد آجائیں، آپ کی تعلیم کی تکمیل اور اہل وعیال کی مکمل کفالت کا نظم ہم کریں گے، چناں چہ وہ مع اہل خانہ مرادآباد آگئے تو حضرت والد صاحبؒ نے مرادآباد کے مشہور مسلم محلہ ''مانپور'' کی ایک مسجد میں ان کو امامت اور اسی سے متصل رہائش کے لئے ایک مکان بھی دلوادیا؛ تاکہ وہ یکسوئی اور سکونِ خاطر کے ساتھ اپنی تعلیم کی تکمیل کرسکیں۔

محترم قاری صاحب موصوف ۳؍سال تک جامعہ امدادیہ میں ماہر فن اساتذۂ کرام سے دل جمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے، اس کے بعد انہوں نے دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا، اور ایک سال مزید رہ کر افتاء کی تعلیم بھی حاصل کی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے جامعہ امدادیہ میں ان کو شعبۂ تجوید وقراءت کا مدرس بنالیا، دورانِ

تعلیم ان کے اور ان کے اہل خانہ کے تمام مصارف حضرت والد صاحبؒ نے اپنی جیب خاص سے ادا کیئے۔

برادرم جناب مولانا محمد سالم صاحب قاسمی زمانۂ طالب علمی ہی سے حضرت والد صاحب کے منظور نظر تھے، دارالعلوم میں تکمیل ادب کی تعلیم کے لئے حضرت والد صاحبؒ نے ان کی بے حد حوصلہ افزائی کی، تعلیمی مصارف بھی برداشت کیئے، پھر کچھ عرصہ بعد دارالعلوم بستی میں براہِ راست ان کا تقرر بھی کیا۔ اسی طرح مرحوم جناب مولانا مفتی عبدالمنان صاحب سابق استاذ دارالعلوم بستی، برادرم جناب مولانا مفتی محمد عزیز اختر صاحب حال استاذ جامعہ امدادیہ مرادآباد، برادرم جناب مولانا مبعوث احمد قاسمی ندوی مدنی (مقیم دبئ) وغیرہ پر حضرت والد صاحب کی خاص نگاہ رہی، اور عملی طور پر ان حضرات کی بطور خاص سرپرستی فرمائی۔ خوردنوازی کی ایسی بے شمار مثالیں حضرت والد صاحب کی زندگی میں ملتی ہیں۔

خدمت خلق اور صلہ رحمی

قرابت داروں اور اہل تعلق کا خاص پاس ولحاظ رکھنا، ان کی ہر ضرورت کی تکمیل، ہر آزمائش میں ان کا تعاون اور ان کا ہر ممکن خیال حضرت والد صاحبؒ کا خصوصی امتیاز رہا ہے، اپنے بڑے بھائیوں اور بڑی بہن کا بے حد اکرام کرتے تھے، ان کی ہر خواہش پوری کرتے تھے، بسا اوقات اپنی ضروریات پر ان کی فرمائشوں کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

اپنی تمام اولاد اور اولاد کی اولاد کے ساتھ تاحیات ان کا یہی معاملہ رہا، اور اپنے اس معمول میں کبھی کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

خدمت خلق کے حوالہ سے ان کا مقام بہت بلند رہا ہے، نہ جانے کتنے بے روزگاروں کو ان کے ذریعہ روزگار ملا، کتنے بے سہاروں کو سہارا اور بے آسروں کو آسرا ملا، ان کی وساطت اور سفارش اور کوشش سے پچاسوں خاندان معاشی اعتبار سے خوش حال ہو گئے۔

خود میرے علم میں متعدد ایسے واقعات ہیں کہ بہت سے پریشان حالوں کی مالی مدد کی، قرض کے طالبین کو قرض دیا اور کبھی پلٹ کر واپس نہیں مانگا، قدرتی حادثات وآفات کے موقع پر بے چین ہو جاتے تھے، اور مصیبت زدگان کی دل کھول کر مدد کئے بغیر انہیں چین نہیں آتا تھا۔ بہت سے مقدمات، تنازعات کا حل اور تصفیہ ان کے ذریعہ ہوا، نہ جانے کتنے دلوں کی کدورتیں اور خلیجیں ان کے توسط سے ختم ہوئیں۔ خدمت خلق اور صلہ رحمی کے باب میں ان کی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے، جو یہاں سمیٹا نہیں جا سکتا۔

امانت، دیانت اور غایت احتیاط

ان کی زندگی کا ایک روشن پہلو ان کی امانت، دیانت اور مالی معاملات میں غایت درجہ احتیاط اور پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی خاص عادت تھی، ان کی پوری زندگی مدارس کے سایہ میں گذری۔ ۱۹۶۹ء سے لے کر تا وفات ۴۰ر سال سے زائد کا عرصہ اہتمام وانصرام میں گذرا، ہمہ وقت مالی معاملات سے سابقہ رہا؛ لیکن پائی پائی اور رتی رتی کا حساب ان کے پاس رہتا تھا، امانت و دیانت کے اصول ہر ہر جزو کل میں ملحوظ رکھتے تھے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ پیدل چلنا گوارا کرتے تھے، پبلک بسوں میں سفر کر لیا کرتے تھے، لیکن مدرسہ پر زیادہ بار ڈالنا گوارا نہیں ہوتا تھا، پچاسوں بار ہم خوردوں نے یہ منظر دیکھا ہے۔

زہد وقناعت اور سادگی

ان کی زندگی اس حدیث کا مکمل عکس تھی:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافًا، وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اَعْطَاهُ.

ترجمہ: جو اسلام لایا، اسے بقدر کفاف رزق عطا ہوا، اور اللہ نے اپنے عطا کردہ رزق پر اسے قانع بنا دیا، وہی اصل میں کامیاب ہے۔

اللہ نے ان کو دل کا غنی، قناعت اور زہد کا بلند مقام بخش دیا تھا، حصول دولت زندگی

کے کسی بھی مرحلہ میں ان کا مطمحِ نظر اور مرکز توجہ نہیں بن سکا، وہ ہمیشہ "اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلیٰ" (دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے) کے مصداق دینے والے رہے، اپنی ذات کے لئے کبھی انہوں نے صراحۃً یا اشارۃً کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا؛ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا خیال وگمان بھی ان کو نہیں ہوا۔

۱۹۸۰ء سے تا وفات دارالعلوم بستی میں اصل قیام رہا، وہی بانی اور صدر بھی تھے، اور روح رواں اور میر کارواں بھی۔ دارالعلوم سے اپنی ذات کے لئے کوئی رقم اور تنخواہ نہیں لی، سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک سادہ اور موجودہ پر تکلف سامانِ آسائش سے بالکل دور ایک کمرہ میں کولر اور اے سی کے بغیر ایک پنکھے کے نیچے پوری زندگی گذاردی۔ سادہ کمرہ، معمولی رہائش، سادہ بستر، موٹا جھوٹا لباس، سادہ کھانا، ہر قسم کے تعیش، تصنع، تکلف اور بناوٹ سے دور زندگی۔ وہ چاہتے تو حلال طریقہ سے ہر طرح کا سامانِ آسائش اکٹھا کرسکتے تھے، لیکن ان کی طبیعت کی افتاد، مجاہدہ کا مزاج، اکابر کی صحبت کا رنگ یہ سب ان کو اس سے باز رکھتا تھا، انہوں نے اپنی سادہ زندگی اور زاہدانہ کردار سے حدیث نبوی: کُنْ فِیْ الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ (دنیا میں پردیسی یا مسافر کی طرح رہو) پر عمل کرکے دکھایا، اور اپنے خلف کو یہ نمونہ فراہم کیا، اللہ نے اپنے خاص فضل سے ان کے دل کو دنیا کی رونقوں سے گریزاں اور آخرت کی فکر سے آباد کردیا تھا، یہ سعادت من جانب اللہ انہیں عطا ہوئی تھی:

ایں سعادت بزورِ باز نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حلم وصبر

حلم وصبر دراصل اوصافِ نبوت میں سے ہیں، صبر کو خدا کی طرف سے انسان کے لئے سب سے بہتر عطیہ قرار دیا گیا ہے، حضرت والد صاحب کی حیات وسیرت میں حلم وصبر کا

جوہر ہر دوسرے وصف کی بہ نسبت کہیں زیادہ نمایاں تھا، بردباری اور صبر وتحمل کی خصوصیات انہیں مبدأ فیاض سے بہت وافر مقدار میں حاصل ہوئی تھیں، ان کی ہمہ دم رواں دواں زندگی اور اجتماعی سرگرمیوں میں ہر موڑ پر صبر آزما اور ضبط طلب مراحل آیا کرتے تھے، ایسے موقعے بھی آئے کہ انسان بے قابو ہو جائے، طیش میں آجائے، اور جوابی اقدام کر بیٹھے؛ لیکن ہر گام پر والد صاحب نے صبر کی باگ تھامے رکھی، اور ہر موقع پر حلم وتحمل کا مثالی مظاہرہ فرمایا۔

اداروں کے لئے مالی فراہمی کا محاذ بہت ہی دشوار گذار گھاٹی عبور کرنے کے مرادف ہوتا ہے، اس میدان میں ہر قدم پر دل دکھانے اور طیش دلانے والی باتیں اور شکلیں سامنے آتی ہیں۔ حضرت والد صاحب نے حلم، ضبط، صبر اور تحمل کی کس ادائے دلنواز سے یہ مرحلے سر کئے اور یہ وادی طے کی، آج اس کا تصور بھی مشکل ہے۔

غیروں کے ستم کے ساتھ اپنوں کی ریشہ دوانیوں ہفوات اور تبصرہ بازیوں کے جواب میں ہمیشہ ان کا ردعمل مثبت رہا، اللہ نے ان کے دل کو منفی اور تخریبی نفسیات سے بالکل پاک کر رکھا تھا، ان کی پوری زندگی اس پر شاہد ہے۔ سخت سے سخت حالات اور ناگوار سے ناگوار صورتِ حال میں بھی ان کی شانِ حلیمی میں سرمو بھی فرق نہیں آتا تھا، یہ اللہ کی طرف سے خاص انعام تھا جو ان کو عطا ہوا تھا۔

نہی عن المنکر

اپنی تمام تر حلیمانہ صفات کے باوجود حضرت والد صاحبؒ منکرات پر خاموشی اختیار کیئے رہنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، منکر کو برداشت کر جانا ان کے بس میں نہیں تھا، ہمارے وطن موضع ''مدار پور'' میں کچھ شرپسند گمراہ مسلمان محرم کے مہینہ میں تعزیہ بنایا کرتے تھے، والد صاحب کو یہ منکر برداشت نہیں تھا، آپ نے مشورہ کیا اور اس منکر کا خاتمہ طے کر لیا، تعزیہ بنانے والوں کو بلایا گیا، ان کو اس گناہ سے روکا گیا، تعزیہ سازی پر جو مصارف آئے

تھے، مصلحتہً وہ بھی دیئے گئے، پھر بھی شرپسندوں نے تھانے تک یہ معاملہ پہنچایا، کسی طرح معاملہ رفع دفع ہوا، البتہ تعزیہ کا منکر اس کے بعد سے گاؤں سے ختم ہوگیا۔

مدرسہ کے ماحول میں حضرت والد صاحبؒ بطور خاص اِسبالِ ازار (تہبند اور پائیجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانے) اور ترکِ جماعت (نمازِ باجماعت چھوڑنے) اور داڑھی کاٹنے کے جرم کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے، فوراً ٹوک دیا کرتے تھے، بسا اوقات جلال آجاتا تھا، اور غصہ سے سرخ ہوجاتے تھے، دینی غیرت وحمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اکابر کے طریق سے انحراف کو بہت برا سمجھتے تھے۔

حسن اخلاق ومعاملات

حضرت والد صاحبؒ اپنی خوش اخلاقی میں بے نظیر شخصیت کے مالک تھے، اپنوں اور غیروں سب میں آپ کی خوش اخلاقی کے چرچے تھے، آپ کا حسن اخلاق ہر دور میں زبان زد خاص وعام رہا، ۴۰ رسال سے زائد عرصہ انتظامی ذمہ داریوں میں گذرا، آپ کے ماتحت اور زیر سرپرستی واہتمام کام کرنے والی پوری ٹیم رہی، عام طور پر منتظم سب کو نہ مطمئن کرپاتا ہے نہ خوش رکھ پاتا ہے؛ لیکن آپ کا یہ کمال اور خاص امتیاز تھا کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ سب کو مطمئن اور خوش رکھا؛ بلکہ اپنا گرویدہ اور عقیدت مند بنا کر رکھا، یہ آپ کا حسن اخلاق اور مکارم اخلاق کی تاثیر تھی۔ ہر کسی سے خندہ پیشانی اور مسکراتے لبوں سے ملنا، پرتپاک استقبال، خدمت کے لئے بچھ جانا، ہر ضرورت کی تکمیل کے لئے فکرمندی، دوسروں کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھ کر انہیں حل کرنے کی کوشش آپ کے اخلاقِ کریمانہ کے وہ گوشے ہیں جن کے ذریعہ اللہ نے آپ کو عجیب مقبولیت اور محبوبیت سے بہرہ ور فرمایا تھا۔

زندگی کا آخری دور

علالت اور مرض

پچھلے بارہ سالوں سے حضرت والد صاحب کو شوگر کا موذی مرض لاحق ہو گیا تھا، اس کا علاج بھی ہوا تھا، زیادہ تر پرہیز اور پابندی سے سیر و تفریح کے ذریعہ وہ اس مرض پر قابو کئے ہوئے تھے، اور بالعموم شوگر نارمل رہا کرتی تھی۔

۵/سال قبل سے ان کو نسیان (بھولنے) کا مرض شروع ہوا، یہ مرض بتدریج بڑھتا رہا، علاج بھی ہوا، ایلو پیتھک، یونانی، آیورویدک، ہومیو پیتھک، ہر طریقہ علاج اپنایا گیا؛ لیکن مرض بڑھتا گیا، بالآخر شعور بالکل ختم سا ہو گیا، ہمہ وقت ذہول رہنے لگا، یہ حضرت والد صاحب کے لئے بڑی آزمائش کے دن تھے، تمام میڈیکل رپورٹس کے مطابق یہ ''الزائمرڈ منشیا'' (دماغ کی رگ سوکھ جانے) کا خطرناک مرض تھا، جو لاعلاج ہے، اس مرض نے انہیں بالکل معطل کر دیا تھا؛ لیکن اس عالم میں بھی قرآن کی سورتوں کی تلاوت، دعائیں، سلام وجواب کا وہی انداز باقی تھا، ان کی اس دور کی بے ربط گفتگو کے سیاق وسباق سے صرف اور صرف ان کے لگائے ہوئے علم ودین کے باغوں کی آبیاری کی فکر ہویدا ہوتی تھی، مدرسہ کی فکر ان کی صحت اور مرض ہر حال میں ان کے ساتھ چمٹی رہی، اپنے اداروں سے ان کو والہانہ عشق تھا۔

سفر آخرت، وفات، تجہیز و تکفین و تدفین

مرض جوں کا توں تھا؛ لیکن کوئی خطرناک تشویش کی حالت نہیں تھی، ۲۱/اپریل ۲۰۱۱ء

بروز جمعرات دن میں دس بجے احقر نے مرادآباد سے ٹیلی فون پر والدہ سے گفتگو کی، انہوں نے اطمینان کی خبر سنائی، والد صاحب سے بھی بات ہوئی، سلام وجواب کا وہی انداز تھا، احقر کو اسی دن لہرپور ضلع سیتاپور کے ایک عظیم اجلاس میں شرکت کے لئے آنا تھا، مغرب کے بعد لہرپور پہنچا، پونے آٹھ بجے ٹیلی فون آیا کہ والد صاحب کی حالت بے حد تشویش ناک ہے، چند منٹوں کے بعد وفات کی اطلاع آئی۔

گھر میں شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے، چار لقمے کھاچکے تھے، والدہ محترمہ کھلا رہی تھیں، پانچواں لقمہ منہ میں ڈالا تو زور سے ہچکی آئی، لقمہ حلق میں پھنس گیا، لقمہ نکالا گیا تو کیفیت دگرگوں تھی، ڈاکٹروں کے مطابق سیریس ہارٹ اٹیک (خطرناک قلبی دورہ) ہوا تھا، زمزم پلایا جاتا رہا، برادر محترم حضرت مولانا محمد اسعد قاسمی صاحب زیدمجدہم نے ۱۵/چمچے زمزم کے پلائے، ڈاکٹر حضرات انجکشن لگانے کی تیاری ہی کررہے تھے؛ لیکن وقت موعود آچکا تھا، اللہ کے دین کا یہ خادم منزلِ آخرت پر پہنچنے کے مرحلہ میں آچکا تھا، اچانک نبض تھم گئی، سانسوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا، ناسوتی زندگی سے رشتہ ختم ہوگیا، اور:

ع: عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

یہ واقعہ ۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۱/اپریل ۲۰۱۱ء شب جمعہ بوقت آٹھ بجے پیش آیا۔

حادثے کی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی، جامعہ امدادیہ مرادآباد اور دارالعلوم بستی میں سناٹے کا عالم تھا، ہر دل غمگین تھا، ہر آنکھ اشک بار تھی، شہر واطراف سے آنے والوں کا ہجوم تھا، سب کی حالت غیر تھی۔

احقر فوراً لہرپور سے بذریعہ کار روانہ ہوچکا تھا، برادرِ محترم جناب ڈاکٹر محمد ارشد صاحب لکھنؤ سے روانہ ہوچکے تھے، ہم رات دو بجے کے قریب بستی پہنچے، جامعہ امدادیہ کے

تقریباً تمام اساتذہ وذمہ داران شام کو ہی بستی کے لئے روانہ ہو چکے تھے، یہ قافلہ صبح بستی پہنچا۔ تمام مخلصین اساتذہ وذمہ داران کے مشورہ سے نماز جنازہ کا وقت اگلے دن بعد نماز جمعہ طے ہو چکا تھا، تدفین کے لئے دارالعلوم بستی ہی کے احاطہ میں مسجد کے آگے ایک جگہ متعین کی گئی، اور دارالعلوم کے اربابِ انتظام کے مشورہ سے مبلغ پچاس ہزار روپئے بعوض جائے دفن دارالعلوم میں جمع کردئے گئے؛ تاکہ کسی قسم کا شرعی اشکال باقی نہ رہے۔ ٹیلی فون سے تعزیت کرنے والوں میں ملک وبیرونِ ملک کے اکابر، علماء، قائدین ومفکرین کی تعزیت کا سلسلہ اسی وقت شروع ہوا، جو ہنوز جاری ہے۔ آخری دیدار اور تعزیت کرنے والوں کا تانتا رات ہی سے لگا رہا، جمعہ سے کافی دیر قبل ہجوم بے پناہ ہوجانے کی وجہ سے یہ سلسلہ موقوف کرنا پڑا، دن میں تقریباً پونے بارہ بجے غسل کا عمل شروع ہوا، اس عمل میں راقم الحروف، برادر محترم حضرت مولانا محمد اسعد قاسمی، محترم جناب قاری ابوذر صاحب، محترم جناب مولانا لئیق احمد صاحب، اور دیگر حضرات شریک رہے۔

دارالعلوم الاسلامیہ بستی کا احاطہ اپنی وسعت کے باوجود کثرتِ ازدحام کی وجہ سے تنگی کا شکوہ کررہا تھا، اذانِ جمعہ سے قبل ہی دارالعلوم کی وسیع مسجد اوپر نیچے بھر چکی تھی، دارالعلوم کی تاریخ میں پہلی بار جمعہ میں مسجد کے باہر دور دور تک صفیں بنائی گئیں، دس ہزار سے زائد مجمع تھا، احقر نے جمعہ سے قبل آدھے گھنٹے حضرت والد صاحب کے تعلق سے ٹوٹے پھوٹے بے ربط الفاظ میں بیان کیا، برادر زادہ مولانا مفتی محمد احمد قاسمی ندوی نے خطبہ جمعہ دیا اور نماز پڑھائی۔

سنتوں کے بعد مسجد کے باہر وسیع احاطہ میں جنازہ لایا گیا، صف بندی کی گئی، احقر نے اس موقع پر ہجوم کی کثرت کی وجہ سے نظم وضبط برقرار رکھنے کی اپیل کی، اور حضرت والد صاحب کے لئے مجمع سے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ حضرت مرحوم کے ذمہ اگر کسی کا کوئی قرض یا حق ہو تو براہِ کرم وہ ورثہ سے بلا تکلف مطالبہ کرلیں، اس کی فوری ادائیگی کی جائے گی۔

تمام ورثہ کی رائے سے برادرِ محترم حضرت مولانا محمد اسعد قاسمی صاحب زید مجدہم ناظم دارالعلوم بستی نے نماز جنازہ پڑھائی، مجمع بے قابو ہورہا تھا، جنازہ کی چارپائی میں کاندھا دینے والوں کی کثرت کے پیش نظر لمبے پائپ لگادئے گئے تھے، دین وعلم کے اس عاشق کا جنازہ دھوم سے اٹھایا گیا، قبر کے کنارے جنازہ رکھا گیا۔ احقر، برادر محترم حضرت مولانا محمد اسعد قاسمی صاحب، محترم جناب مولانا مفتی محمد عزیز اختر صاحب استاذ جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد، اور اہل شہر میں سے ایک دو مخلص حضرات قبر میں اترے، ادب واحترام، عقیدت ومحبت، اذیت وصدمہ کی ملی جلی کیفیات کے ساتھ حضرت والد صاحب کو سپردِ خاک کیا گیا، تمام حاضرین نے باچشم نم مٹی ڈالی، اور علم وفضل کا یہ گنج گراں مایہ قبر کی آغوش میں محو آرام ہوگیا۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پسماندگان، خصوصی اہل تعلق اور معتمدین

حضرت کے پسماندگان میں اہلیہ اور چھ صلبی اولاد ہیں، تین صاحب زادیاں ہیں اور تین بیٹے ہیں:

(۱) حضرت مولانا محمد اسعد قاسمی زید مجدہم ناظم دار العلوم الاسلامیہ بستی

(۲) ڈاکٹر محمد ارشد صاحب زید مجدہم مقیم لکھنؤ

(۳) راقم محمد اسجد قاسمی ندوی

اور روحانی اولاد کی تعداد تو ہزاروں سے متجاوز ہے، خصوصی اہل تعلق اور معتمدین کی فہرست خاصی طویل ہے، تاہم چند نمایاں نام درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا معین الدین گونڈویؒ

سابق شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

(۲) حضرت مولانا نثار احمد گونڈویؒ

سابق استاذ حدیث وتفسیر جامعہ عربیہ امدادیہ

(۳) حضرت مولانا مفتی محمد انعام اللہ صاحب دامت برکاتہم،

صدر مفتی واستاذ حدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

(۴) حضرت مولانا عباس علی صاحب دامت برکاتہم

ناظم مدرسہ نور العلوم جوری ضلع سنت کبیر نگر

(۵) حضرت مولانا صادق علی قاسمی صاحب دامت برکاتہم

مدیر ماہنامہ ”نقوشِ حیات“ لہرولی ضلع سنت کبیر نگر یوپی

(۶) حضرت مولانا محمد عبد القیوم صاحب دامت برکاتہم

ناظم مدرسہ عربیہ اصلاح المسلمین جمداشاہی ضلع بستی

(۷) حضرت مولانا شوکت حسین بستویؒ

سابق نائب مہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

(۸) حضرت مولانا عبدالہادی صاحب پرتاب گڈھی مدظلہم

ناظم مدرسہ نورالعلوم ہرہرپور پرتاب گڈھ

(۹) حضرت مولانا ظہیرانوار صاحب زید مجدہم

مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ بستی

(۱۰) حضرت مولانا جمال الدین صاحب قاسمی زید مجدہم

استاذ جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

(۱۱) حضرت مولانا محمد رفیق قاسمی صاحب زید مجدہم

مقیم دہلی حال استاذ معہد التخصص فی اللغۃ العربیہ دہلی

(۱۲) حضرت مولانا مفتی شکیل احمد صاحب سیتاپوری دامت برکاتہم

سابق استاذ دارالعلوم دیوبند و دارالعلوم الاسلامیہ بستی

(۱۳) حضرت مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم

سابق استاذ جامعہ امدادیہ مرادآباد و حال استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۱۴) حضرت مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں صاحب دامت برکاتہم

صدر شعبہ عربی لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ

(۱۵) محترم جناب ماسٹر انعام الحق صاحب مرحوم

سابق استاذ جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

(۱۶) برادرم جناب مولانا مبعوث احمد قاسمی ندوی صاحب مدنی

فاضل مدینہ یونیورسٹی، مقیم حال دبئی

خراجِ عقیدت

حضرت والد صاحب کی وفات پر ملک و بیرونِ ملک کے بے شمار اہل علم، مفکرین، ذمہ داران، ملی وسیاسی قائدین، متعلقین اور بہی خواہوں نے بالمشافہ، ٹیلی فونک اور تحریری طور پر تعزیت مسنونہ پیش کی، ان کی فہرست بہت طویل ہے، جو یہاں نقل نہیں کی جاسکتی، ہم پسماندگان ان حضرات کی خدمت میں اس تعلق خاطر پر ہدیۂ تشکر ہی پیش کرسکتے ہیں، اور دعا کے خواستگار ہیں۔

ملک کے بے شمار مدارس میں اجلاسِ تعزیت اور ایصالِ ثواب کا خواص اہتمام کیا گیا، مدرسہ انوار العلوم ہارون کمپاؤنڈ ممبئی میں ۲۸/اپریل ۲۰۱۱ء کو ایک عام تعزیتی اجلاس منعقد ہوا، جس میں ممبئی اور اطراف کے علماء اور اہل تعلق نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد میں ۳/مئی ۲۰۱۱ء کو عظیم الشان اجلاسِ تعزیت ہوا، جس میں شہر اور نواح کے جم غفیر نے شرکت کی، ان سب کی مکمل تفصیل انشاء اللہ جلد دستاویزی شکل میں مرتب اور شائع ہوگی۔

دارالعلوم بستی کے رکن شوریٰ محترم المقام حضرت مولانا سید حبیب احمد باندوی صاحب مدظلہم تعزیت کے لئے بنفس نفیس تشریف لائے، اور حاضرین واساتذہ سے مختصراً بہت مؤثر اور پردرد خطاب بھی کیا۔

انشاء اللہ جلد ہی دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے احاطہ میں ایک تاریخی اجلاسِ تعزیت منعقد کئے جانے کا نظام بن رہا ہے، دارالعلوم بستی کے ترجمان دوماہی ''فکر اسلامی'' کی حضرت مرحوم کی حیات وخدمات پر خصوصی اشاعت بھی جلد منظر عام پر آئے گی، تمام اہل قلم

واہل تعلق سے پہلی فرصت میں اپنے تأثرات اور مشاہدات اور حضرت والد صاحب کے امتیازات وکمالات قلم بند کر کے ارسال فرمانے کی درخواست کی جاتی ہے۔

احباب کے اصرار پر راقم نے حضرت والد صاحب کے مکمل حالات وسوانح پر ایک مفصل اور دستاویزی تحریر مرتب کرنے کا ارادہ کررکھا ہے، اللہ کی توفیق شامل حال رہی تو جلد ہی یہ کام پورا کرلیا جائے گا، اہل قلم واہل تعلق سے اس کی ترتیب میں ہر ممکن تعاون کی گذارش ہے، اور سب سے بڑی درخواست یہ ہے کہ:

حضرت مرحوم کے لئے خاص دعاؤں کا اہتمام کیا جائے، اور زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب کی فکر کی جائے، اور ہم سب ان کے اخلاق وکردار کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں اور ان کے سچے جانشین ہوکر ان کے کاموں کو انہیں کے نہج پر آگے بڑھانے کے لئے سرگرم اور یکجا ہو جائیں، یہی ہمارا ان کے لئے سچا خراجِ عقیدت ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاجْعَلِ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُ الْاَخِيْرَ، وَسَكِّنْ رُوْحَهٗ وَبَرِّدْ مَضْجَعَهٗ وَنَوِّرْ قَبْرَهٗ، وَارْضَ عَنْهُ وَعَنَّا يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

حضرت اقدس مولانا محمد باقر حسین قاسمی رحمہ اللہ

سوانحی خاکہ

- **ولدیت:** جناب محمد اسماعیل صاحب مرحوم
- **وطن:** موضع مدار پور ضلع سنت کبیر نگر (بستی) یوپی
- **ولادت:** ۱۹۳۶ء
- **ابتدائی تعلیم:** مکتب دریاباد و مدرسہ دینیہ مونڈاڈیہہ بیگ (سنت کبیر نگر)
- **عربی تعلیم:** مدرسہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور ● جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ
- **متوسطات تا دورۂ حدیث:** دار العلوم دیوبند
- **فراغت:** ۱۹۵۶ء
- **خاص اساتذہ:** ● شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ ● حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادی رحمہ اللہ ● علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ ● شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ، وغیرہم۔
- **تدریس:** ● مدرسہ خادم العلوم باغوں والی ضلع مظفر نگر (ایک سال) ● مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ (تین سال) ● جامعہ رحمانیہ خانقاہِ رحمانی مونگیر (ایک سال) ● جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد (از ۱۹۶۲ء تا وفات) ● دار العلوم الاسلامیہ بستی (از ۱۹۸۰ء تا وفات)
- **اہتمام وانصرام:** ● جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد (از: ۱۹۶۹ء تا وفات) ● دار العلوم الاسلامیہ بستی (از: ۱۹۸۰ء تا وفات)
- **نمایاں خدمات:** ● متعدد مدارس و مکاتب کا قیام و تاسیس ● متعدد مدارس کی سرپرستی ● پچاسوں مساجد کی تعمیر و اصلاح ● خدمت خلق ● اور رفاہِ عام کے متنوع کام
- **اہم مناصب اور ذمہ داریاں:** ● مہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد ● بانی وصدر دار العلوم الاسلامیہ بستی ● رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ● رکن دینی تعلیمی کونسل۔
- **وفات:** ۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۱/اپریل ۲۰۱۱ء بعد مغرب بوقت ۸/بجے شب جمعہ۔